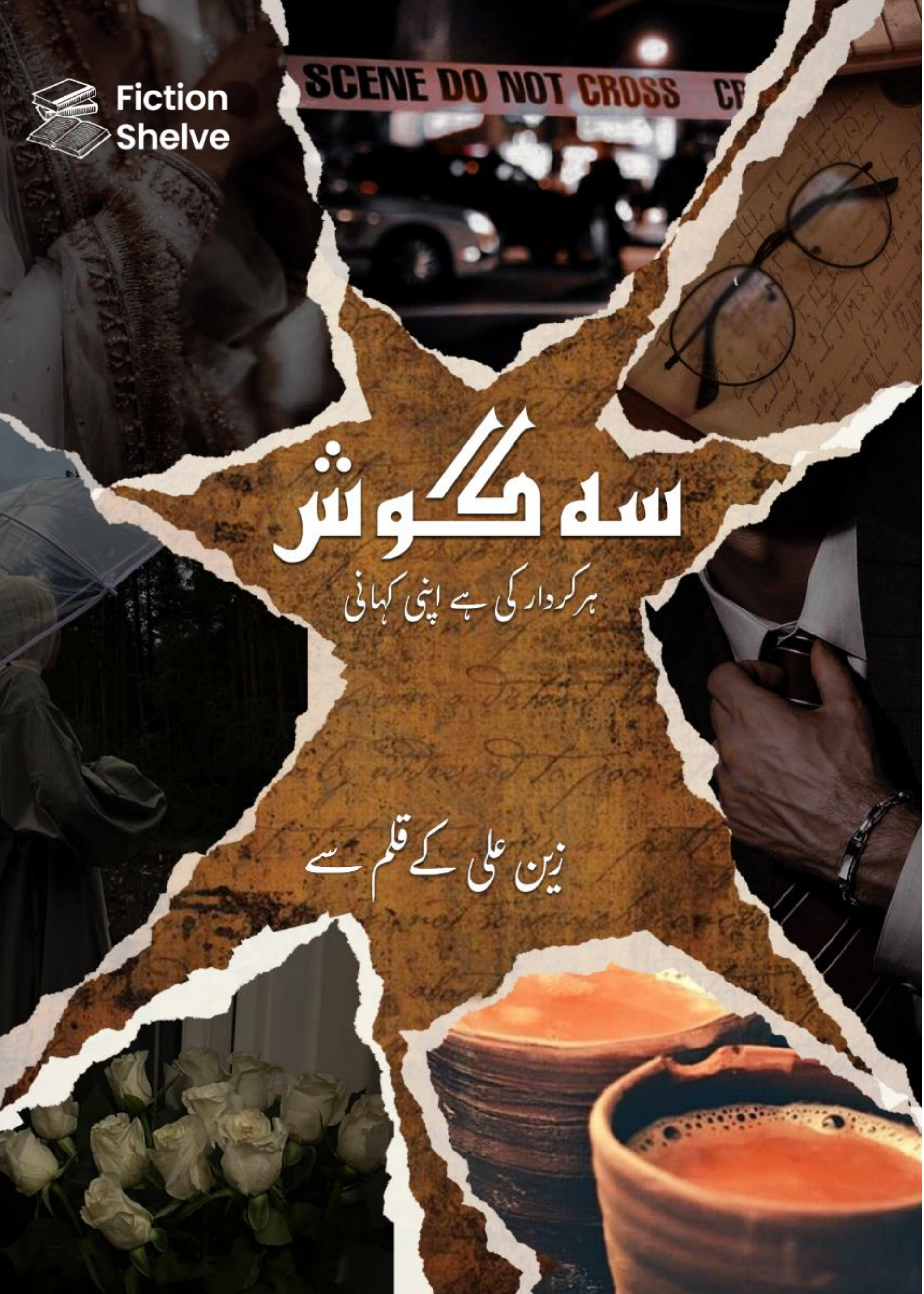
Fiction
Shelve
SCENE DO NOT CROSS
سہ گوش
ہر کردار کی ہے اپنی کہانی
زین علی کے قلم سے

سہ گوش از زین علی

قسط نمبر 08:

(آگ کا شعلہ ہوں، جلتے ارمانوں کا راز ہوں

پانی کی بوند ہوں، بہتے خوابوں کا ساز ہوں)

آیان کار میں بیٹھا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔اسکی کار ایک مڈل کلاس محلے کے باہر کھڑی تھی۔

اس کے چہرے پر اکتاہٹ تھی لیکن اس اکتاہٹ میں بھی وہ پر کشش لگ رہا تھا۔ہمیشہ کی طرح!

اس نے ہاتھ میں پہنی لاکھوں کی گھڑی کو دیکھا۔گھڑی صبح کے دس بجا رہی تھی۔

گھڑی کا کانٹا بے آواز آگے بڑھ رہا تھا۔اس کے لب ہلے۔شاید اس نے اس شخص کو گالی دی تھی، جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔

سہ گوش
(از زین علی)

اس نے ایک نظر ونڈو سے باہر دیکھا۔ باہر لوگ اپنے کاموں میں مگن تھے۔ کچھ لوگ گلی سے گزر رہے تھے۔ کچھ آوارہ لڑکے گلی کی نکڑ پر کھڑے ہر آتے جاتے شخص کو تنگ کر رہے تھے۔ کچھ بوڑھی عورتیں اپنے گھروں کے دروازوں پر بیٹھی اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔ گلی کی نکڑ پر جہاں لڑکے کھڑے تھے، اسکے سامنے ایک ''پان شاپ'' تھی۔ اس دکان پر کولڈ ڈرنکس، سگریٹ اور پان ملتے تھے۔

آیان نے سیٹ سے ٹیک لگائی ہوئی تھی جب کسی نے شیشے کو ناک کیا۔ آیان نے آنکھیں کھول کر شیشے کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک آدمی کھڑا تھا۔

اس نے مسافر سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ آدمی گھوم کر دوسری طرف آیا اور دروازہ کھول کر اندر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس شخص سے گندی بو آرہی تھی۔

آیان نے اسکی طرف نہیں دیکھا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ سامنے دوسری گلی تھی۔

''پیسے۔'' آنے والے آدمی نے کہا۔ وہ کسی مشین کی طرح بولا تھا۔

سہ گوش
(از زین علی)

اس آدمی کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں تھی اور بڑی مونچھیں۔

اس کی ایک آنکھ سفید تھی۔یوں جیسے اس آنکھ میں موتیا اترا ہوا ہو۔

آیان نے والٹ سے ایک چیک نکالا اور اسکی طرف بڑھا دیا۔

اس آدمی نے کھینچنے والے انداز میں اس کے ہاتھ سے چیک پکڑا۔

اس آدمی نے بے صبری کا پورا مظاہرہ کیا تھا۔

”شکریہ۔“ وہ آدمی اپنی بھاری آواز میں بولا۔”پیسے زیادہ کر دو۔اتنے پیسوں سے کام نہیں چل رہا۔“

”میرے پاس کسی بھی فضول بحث یا بات کا وقت نہیں ہے۔جو مل رہا ہے لو اور نکلو۔“ آیان دبے دبے غصے میں بولا تھا۔

آیان اس شخص کو پیسے کیوں دے رہا تھا؟

”لیکن۔۔۔“

”میں اپنی بات دہراؤں گا نہیں۔“ آیان نے ایک نظر اسے بدمزگی سے دیکھا۔

وہ آدمی اب کی بار خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

سہ گوش
(از زین علی)

آیان نے ایک نظر آئینے سے اسے جاتا دیکھا۔

”کمینہ!“آیان نے زیرِلب اسے تین چار گالیوں سے نوازا۔

(آگ کی زبان میں ہے خاموشیوں کا شور

پانی کے لمس میں ہے دکھتی چوٹوں کا نور)

آیان اس محلے سے نکل آیا تھا اور اب اسکا رخ اس ٹوٹی ہوئی منزل کی طرف تھا جس کی بیس منٹ میں اس نے قید خانہ بنا رکھا تھا۔

جہاں وہ اپنے غیر قانونی کام کیا کرتا تھا۔

آیان شہر کے اس کونے میں پہنچ چکا تھا جہاں یہ منزل اپنی ٹوٹی پھوٹی حالت کے باوجود کھڑی تھی۔اس نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور اندر چلا آیا۔

اندر اندھیرا تھا اور بدبو۔یہ منزل ایک بہترین کور تھا اپنے غیر قانونی کاموں کو چھپانے کے لئے۔یہ جگہ اس نے تین سال پہلے خریدی تھی اور تب سی ہی وہ جرائم کی دنیا کا گمنام شہزادہ تھا۔

وہ بہت سارے دو نمبر کاموں میں ملوث تھا۔ وہ drugs کا کاروبار کرتا تھا اور money laundering بھی۔ وہ دوسرے ممالک میں ہتھیار سپلائی کرتا تھا اور کئی لوگوں کے اغوا میں بھی شامل تھا۔

آیان کا کور اتنا بہترین تھا کہ اس کے بہت سارے دھندوں کا "جہان اینڈ کو" بھی پتا نہ لگا سکی تھی۔

آیان ان غیر قانونی کاموں میں کیسے پڑا وہ ایک الگ کہانی ہے لیکن ابھی کے لئے اس کے تہہ خانے کی طرف چلتے ہیں۔

جہاں اس وقت چار آدمی اسکی قید میں ہیں۔

کاشف صبح سویرے یہاں آگیا تھا۔ اسکا کام قیدیوں پر نظر رکھنا اور ان سے انفارمیشن نکلوانا تھا۔

آیان تہہ خانے میں چلا آیا۔

یہ ایک بڑا سا تہہ خانہ تھا جس میں تین کمرے، دو لاک اپ بنے ہوئے تھے۔

آیان نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر جھانکا۔اندر کچھ مرد بنا قمیضوں کے کھڑے drugs کو تھیلوں میں بھر رہے تھے۔وہ سب ایک قطار میں کھڑے تھیلوں میں سفید آٹے جیسا مواد ڈال رہے تھے۔

ان سب کے چہرے ماسکس تلے چھپے ہوئے تھے۔

ایک آدمی دائیں بائیں چلتا ہوا سب ورکرز پر نظر رکھ رہا تھا۔

آیان نے آنکھوں سے انچارچ کو اشارہ کیا۔اس نے بھی ادب سے اشارہ کیا۔

ڈرگز کو بھی وہ دوسرے ممالک میں سپلائی کرتا تھا لیکن کچھ امیر اور بگڑے لوگ یہاں بھی اس کے ڈیلر تھے۔

ہندوستان کے راستوں سے گزرتے ہوئے یہ ڈرگز دوسرے ممالک میں جایا کرتے تھے۔

آیان نے دروازہ بند کیا اور دوسرے کمرے کی طرف چلا آیا۔اس کمرے کے بالکل درمیان ایک میں میز اور کرسی تھی۔

یہ غالباً آفس تھا۔

وہ کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔ میز پر ایک کاغذ کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ کمرہ بھی خالی خالی سا تھا۔ ایک دیوار پر ایک پینٹنگ تھی اور یقیناً اس کے پیچھے vault تھی۔ جس میں وہ اپنے غیر قانونی کاموں کا ریکارڈ رکھتا ہوگا۔

آیان نے وہ کاغذ اٹھایا۔ اسے سیدھا کیا اور اس پر لکھی سطر پڑھنے لگا۔

پڑھتے ہوئے اسکا دھیان بھٹکا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔

"آجاؤ۔" اس نے اندر آنے کی اجازت دی۔

"وہ لڑکا ہلکی پھلکی سروس (مارپیٹ) سے منہ نہیں کھول رہا۔ مجھے 3 rd degree کی اجازت چاہیے تاکہ میں اپنا کام پورا کر سکوں۔"

کمرے میں داخل ہونے والا اور کوئی نہیں کاشف تھا۔

"کیش۔۔۔ کیش۔۔۔" آیان نے بڑے سریلے انداز میں اسے پکارا تھا۔

آیان نے کرسی سے ٹیک لگالی اور چھت کو دیکھنے لگا۔

"شروعات اسکی انگلیاں کاٹنے سے کرنا۔" یہ اجازت تھی آیان کی طرف سے تھرڈ ڈگری کرنے کی۔

کاشف مسکرایا۔اس مسکراہٹ میں شطانیت تھی۔

"پھر اسکا ہاتھ کاٹنا اگر وہ انگلی کٹ جانے کے بعد بھی نہ بولا۔" آیان نے سر سیدھا کیا اور کاشف کو دیکھا۔

کاشف سیاہ پینٹ شرٹ میں مبلوس مسکراتا ہوا اسے دکھائی دیا۔

"مجھے پاس ورڈ آج رات تک چاہیے۔" کاشف مڑ کر جانے لگا تو آیان بولا۔"بہت ہو گئے لاڈ۔۔۔دکھادو اسکو کہ وہ کس کی قید میں ہے۔بہت ہو گئی محبت سے پوچھ تاچھ۔اب سختی دکھانے کا وقت ہے۔"

کاشف نے اثبات میں سر ہلایا۔

(آگ جلادے دل کی ہر دیوار کو

پانی بہادے روح کی ہر پکار کو)

نفرت انسان کو برباد کر دیتی ہے۔ نفرت دنیا کے مظبوط ترین جذبوں میں سے ایک ہے۔ نفرت سب جلا دیتی ہے نفرت سب برباد کر دیتی ہے۔ وہ انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی اور پھر نفرت ہی انسان کو تنہا کر دیتی ہے۔

آیان کچھ لمحے وہاں بیٹھا رہا پھر باہر نکل آیا۔

"نفرت ہے مجھے ان لوگوں سے جو میرے کام میں خلل ڈالتے ہیں۔" وہ خود کلامی کر رہا تھا۔

"نفرت ہے مجھے اس لالچی دنیا ہے جس نے مجھے ایسا بنا دیا۔" اس کے دل سے ایک آواز نکلی۔

یہ دل اور دماغ کی جنگ تھی۔

دل کمزور ہوتا ہے۔ دماغ سے اکثر ہار جاتا ہے۔

"اس نے تیسرے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔

وہ ہمیشہ بند ہی رکھا جاتا تھا۔ نا جانے کیوں؟

"ایک بار پاس کوڈ مل جائے۔" اس نے دماغ میں جمع تفریق کی۔

پس منظر میں چیخنے کی آواز آنے لگی۔

کاشف اس قیدی پر ٹارچر کر رہا تھا۔ آیان کا دل جل اٹھا۔

کیا وہ سچ میں ایسا تھا یا یہ صرف نفرت کی آگ تھی۔ یہ آگ محبت کے آب سے ختم کی بھی تو جا سکتی تھی۔

کیا نفرت میں جلنے والے، پاور کی چاہ رکھنے والے محبت سے کام لے سکتے ہیں۔

وہ تیز تیز چلتا ہوا اس نیگیٹو جگہ سے نکلنا چاہتا تھا۔

وہ تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔

منزل کو ایک نظر دیکھ کر وہ باہر نکل آیا اور کار میں سوار ہو گیا۔ اسے اب گھر جانا تھا۔

(آگ ایک چیخ ہے، سلگتی، بے قرار

پانی ایک دعا ہے، خاموش، بیکراں)

آیان گھر پہنچ چکا تھا۔ "رحمت منزل" شہر کے ایک پوش علاقے میں واقع تھی۔

سہ گوش
(از زین علی)

یہ عمارت کسی محل سے کم نہ تھی۔ سفید اور سہنری، چمکتی ہوئی پوری شان وشوکت سے کھڑی منزل ہر آنے جانے والے کی نظروں کا مرکز بن جاتی تھی۔

رحمت منزل ستر سال سے پوری شان سے کھڑی تھی۔اوران ستر سالوں میں اسے تین بار renovate کیا جاچکا تھا۔

یہ منزل رحمت صاحب کے اباجان نے ان کے بچپن میں انکے لئے بنوائی تھی۔ رحمت اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔جب وہ پیدا ہوئے توان کے پیدا ہونے کی خوشی میں ان کے اباجان نے یہ جگہ خریدی تھی اور جب وہ پانچ سال کے ہوئے تو یہ گھر اپنے بیٹے کو تحفے میں دیا اور اس عمارت کا نام "رحمت منزل" رکھا۔

اس عمارت میں اس وقت رضا صاحب کی فیملی رہتی تھی۔ رضا صاحب،انکی زوجہ اور دو بچے۔ بڑا بیٹا آیان اور چھوٹی بیٹی زویا۔

آیان نے گاڑی پورچ میں رکھی کی اور کھلی راہداری سے ہوتا ہوا لونگ روم کی طرف چلا آیا۔

چمک دمک۔

لونگ روم سے ہوتا ہوا وہ اپری منزل پر بنے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

سارے گھر میں گلابوں کی خوشبو تھی۔

اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر چلا آیا۔

اندر داخل ہوتے ہی سامنے بڑی سی پینٹنگ تھی جس میں ایک افسانوی درندہ ایک بکری کے بچے کو چیر پھاڑ کر کھا رہا تھا۔

یہ پینٹنگ گہرے رنگوں سے بنی ہوئی تھی اور گہرا سرخ خون بہت خوفناک لگ رہا تھا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اصلی خون ہو۔

وہ اندر آتے ہی کپڑے نکالنے لگا۔

کمرے میں ضرورت کا سارا سامان تھا لیکن پھر بھی کمرہ بے جان سا لگ رہا تھا۔

پینٹنگ کے ساتھ ایک بڑی سی کھڑکی تھی جس کے پردے ابھی ایک طرف تھے اور باہر کا منظر نظر آ رہا تھا۔

وہ کپڑے نکال کر باتھ روم میں فریش ہونے چلا گیا۔

سہ گوش
(از زین علی)

(آگ چھین لے موسموں کی رنگت کو

پانی بخش دے زندگی کو تازگی کا سکون)

فریش ہونے کے بعد وہ دوبارہ گاڑی میں بیٹھا اور آفس کی طرف نکل گیا۔

وہ موڑ کاٹ رہا تھا جب اسکے فون کی گھنٹی بجی۔

''وہ اپنا منہ کھولنے کو تیار نہیں ہے۔''اس نے کال اٹھائی تو اس کی سماعت سے کاشف کی آواز ٹکرائی تھی۔

''جو مرضی کرو مجھے انفارمیشن چاہیے۔پولیس اسکی تلاش نہیں کر رہی تو۔۔۔''

آیان اکتاہت سے بولا۔''وہ مر ور بھی گیا تو اسکی کسی کو پروا نہیں ہو گی۔تم صرف انفارمیشن نکلوانے پر فوکس کرو۔''

''ٹھیک ہے۔۔۔''کاشف نے شاید دوسری طرف زہریلی مسکراہٹ اچھالی تھی۔

آیان نے کال بند کی۔

اسے بھوک لگ رہی تھی لیکن اسکی ڈائیٹ۔۔۔توبہ!

سہ گوش
(از زین علی)

وہ گاڑی سکون سے چلاتا ہوا اپنے آفس کی بلڈنگ کے باہر پہنچ چکا تھا۔اس نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی اور چلتا ہوا مین ڈور کی طرف آگیا۔

یہ شہر کے بزنس ایریا میں بنی آٹھ منزلہ عمارت تھی اور اس منزل کا مالک رحمت خاندان تھا لیکن اس وقت یہ عمارت رضا صاحب کے ہاتھ میں تھی۔

وہ استقبالیہ میز کے پاس پہنچا ہی تھا کہ وہاں بیٹھی لڑکی نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔

آیان نے سر ہلا کر جواب دیا لیکن بولا نہیں۔

لڑکی نے اسکو آگے بڑھتے دیکھ برا سا منہ بنایا تھا۔

کیا ہو جاتا اگر آیان صاحب مجھے سلام کا جواب بول کر دے دیتے۔اس لڑکی نے سوچا۔جس کی آنکھیں موٹی موٹی تھیں۔

آیان لفٹ کی طرف چلا آیا۔

وہ لفٹ پر سوار ہو گیا۔

اسے لفٹ پر سوار ہوتے ہوئے کچھ یاد آیا۔اسے ”اس“ سے ہوئی پہلی ملاقات یاد آئی تھی۔

وہ اس دن آفس دیر سے آیا تھا اور لفٹ میں سوار ہو رہا تھا۔

اور جب دروازہ بند ہونے لگا تو کسی نے ٹانگ سے دروازہ بند ہونے سے روکا۔

لفٹ کا دروازہ روکنے والے پیر نے ہیل پہن رکھی تھی جس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی لڑکی تھی۔

دروازہ کھل گیا۔

"مسٹر مجھے بھی اوپر جانا ہے۔" لڑکی کے ہاتھوں میں ایک کے اوپر ایک چار ڈبے تھے۔

لڑکی نے ایک طرف چہرہ نکالا۔ "پلیز فلور نمبر تین کا بٹن ڈبا دیں۔"

آیان نے ایک نظر اسے دیکھا۔ کیا وہ لڑکی آیان کو نہیں جانتی تھی کہ وہ یہاں کا باس ہے اور باس سے اس طرح بات نہیں کرتے۔ چلو مان لیا باس ہے تو مدد تو کر ہی سکتا ہے لیکن کیا وہ آیان کے نیچر کو نہیں جانتی تھی۔

آیان نے بٹن دبا دیا۔

''سوری مسٹر اگر بٹن دبانے میں آپ کو زحمت ہوئی ہے تو۔''لڑکی نے آیان کے بگڑتے چہرے کو دیکھ لیا تھا۔

آیان نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔اسے اب یقین ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی اس آفس میں نئی ہے۔

''آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں غالباً۔''آیان سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

''جی یقیناً میں نہیں جانتی۔''لڑکی نے ڈبوں کو نیچے پیروں کے آگے رکھ دیا۔

اس نے ایک نظر ڈبوں کو دیکھا۔کاش پہلے ہی نیچے رکھ کر بٹن دبا لیتی۔اس نے گہرا سانس لے کر سوچا۔

آیان ہلکا سا مسکرایا تھا۔

''آپ کو پہلے یہاں نہیں دیکھا۔''اس بار آیان کا لہجہ دوستانہ تھا۔

''جی مجھے آج ہی جاب ملی ہے۔''

وہ لڑکی خوبصورت تھی۔اس نے بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنا رکھی تھی اور چہرے پر ہلکا ہلکا میک اپ لگایا ہوا تھا۔

”ویسے آپ کا نام کیا ہے۔“

”لِلی۔“(Lily)

”پیارا نام ہے۔“آیان کو نام سچ میں پیارا لگا تھا۔

للی خاموش رہی جیسے اس نے سوچ رکھا ہو کہ وہ کام کے پہلے دن کسی سے دوستی نہیں کرے گی۔

لفٹ کا دروازہ کھلا۔

آیان نے اپنی بائیں طرف دیکھا۔

وہ وہاں نہیں تھی۔

یہ ماضی نہیں، آج کا دن تھا۔

آیان لفٹ سے نکل آیا۔

(پھولوں کی طرح جلتے ہیں جو خواب رات میں

پانی کی طرح بہتا ہے دکھ چپکے سے بات میں)

آیان کی زندگی کے اس دن میں دوبارہ چلتے ہیں جب اسکی ملاقات للی سے پہلی مرتبہ ہوئی تھی۔

آیان نے اسکے نام پر تبصرہ کیا لیکن وہ خاموش تھی۔ دوستانہ انداز میں نہ سہی اس نے تو اخلاقاً بھی آیان کا نام نہ پوچھا تھا۔

آیان کو اسکی یہ ادا اچھی لگی تھی۔

"تمہیں جاب پر کیوں رکھا ہے کمپنی نے۔" آیان چاہتا تھا وہ بولے۔

اس نے جواب دینے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ لفٹ کا دروازہ کھل گیا۔

للی نے ڈبے پکڑے اور باہر نکل آئی۔

آیان کو اوپر والی منزل پر جانا تھا لیکن وہ بھی اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

"آپ کو تو غالباً اوپر جانا تھا۔" للی نے ایک نظر آیان کو دیکھا جو اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تھا۔

"جی یقیناً اوپر جانا تھا۔" آیان نے اسی کے انداز میں جواب دیا تھا۔

وہ ورک ایریا میں پہنچ چکے تھے۔ بہت سارے میز کرسیاں، لکڑی کی چھوٹی چھوٹی دیواریں تھیں اور ہر دیوار کے درمیان میز۔

"السلام علیکم سر۔" ایک لڑکی نے کھڑے ہوتے ہوئے سلام کیا۔

للی نے حیرانگی سے اس لڑکی کو دیکھا۔

"کیا آپ اس فلور کے ایچ آر ہیں۔" للی کو لگا وہ مصیبت میں ہے۔

پہلے دن ہی ایچ آر سے اس طرح آمنا سامنا ہو گیا۔ اف اللہ کہیں میری نوکری خطرے میں تو نہیں۔ للی نے بے چینی سے سوچا۔

"نہیں تو۔"

للی اپنی میز کی طرف چلی آئی جو اسے چند گھنٹے پہلے دکھائی گئی تھی۔

"آپ کا نام۔۔۔ نہیں پوچھا میں نے۔۔۔"

"آیان رضا۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

للی کے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ آیان رضا۔۔۔ اسکا باس۔

اسکے چہرے پر پریشانی صاف دکھائی دینے لگی۔

”میرا ہاتھ تھک جائے گا۔“آیان نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

“I’m so sorry sir”

اس نے ہاتھ ملایا اور معصوم سا منہ بنا کر سامنے کھڑے اپنے باس سے معزرت کر رہی تھی۔

”کوئی بات نہیں۔“آیان نے دوستانہ انداز میں کہا۔”تم بیٹھو اور اپنی میز سیٹ کر لو۔“اتنا کہہ کر وہ مڑ گیا۔”تمہارا دن اچھا گزرے۔“

اس کے جاتے ہی للی نے اپنے ماتھے کو ہلکی سے چپت لگائی اور خود کو کوسنے لگے۔

”مجھے سمجھ جانا چاہیے تھا۔اب پتا نہیں کیا ہو گا۔“

وہ ڈبے سے اپنا سامان نکال کر میز پر رکھنے لگی۔

”کہیں نوکری سے ہی نہ نکال دے۔“وہ سوچ رہی تھی۔

”نہیں وہ کافی دوستانہ انداز میں بات کر رہا تھا۔“

یا اللہ خیر۔اس نے دل سے خیر کی دعا مانگی۔

(آگ اور پانی، دو مخالف مگر یکجا

یہی تو ہے، زندگی کا سارا فلسفہ)

آیان اپنے آفس میں آچکا تھا۔اسے ہمیشہ للی کی یاد آتی تھی لیکن کبھی کبھار زیادہ یاد آنے لگتی تھی۔

اس نے سامنے رکھی فائل کھولی اور میز کے دائیں طرف رکھا کمپیوٹر بھی آن کر لیا۔

اس نے فائل پر ایک نظر ماری اور پھر اسے بند کر کے ایک طرف کر دیا۔

اس نے آنکھیں بند کی اور کرسی کی بیک سے ٹیک لگالی۔

''پہلی محبت بھلائے نہیں بھولتی میری پیاری للی۔'' وہ جیسے للی کو کہہ رہا تھا۔ جیسے وہ سامنے بیٹھ کر سن رہی ہو۔

ہر انسان وہ اچھا ہو یا برا، اسکی کہانی ہوتی ہے۔لوگ سمجھتے ہیں برے لوگوں کو محبت نہیں ہوتی لیکن یہ غلط ہے۔ وہ برے یا اچھے ہونے سے پہلے انسان ہیں۔ کیا پتا کسی کا دل ٹوٹا ہو اور وہ برائی کی راہ پر چلنے کو تیار ہو گیا ہو یا ہو سکتا ہے کسی کی مجبوری ہو۔ ہم لوگ کہانی کے ایک پہلو کو دیکھ کو اس انسان کی ساری زندگی پر اندازے لگانے لگتے ہیں بنا یہ سمجھے کہ وہ ایسا کیوں ہے اور ایسا کیوں سوچتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں

سہ گوش
(از زین علی)

کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ہوتا ہے کہ انکا دل پتھر ہو جاتا ہے۔ کچھ کا موم بھی ہو جاتا ہے لیکن کچھ کا پتھر بننے کے بعد کبھی نرم نہیں ہوتا۔

اصل میں ہم لوگ بہت judgemental ہیں۔ ہم کسی کی کہانی کو پورا سنے بغیر اسے جج کر لیتے ہیں۔ ہم صبر نہیں کرتے۔ ہم ہر چیز میں اپنا یہ جج کرنے والا دماغ چلاتے ہیں۔ کبھی کسی کتاب کو پورا پڑھے بنا اس پر ججمینٹل بھرا تبصرہ کر دیتے ہیں تو کبھی کسی کی گوسپ سن کر کسی تیسرے کے حالات کو جج کرتے ہیں۔ ہم لوگوں کو اس میں مزا آتا ہے۔ کسی کے کپڑوں پر تنقید بھرا تبصرہ تو کسی کے accent پر۔ کسی کے رنگ پر تو کسی کی زبان پر۔ ہم کسی چیز کو نہیں چھوڑتے۔

(یہی تضاد ہے دل کی گہرائیوں کا

آگ جلائے، پانی بجھائے، محبت کی رہائیوں کا

امِ بریرہ)

اس نے اپنی آنکھیں کھولی اور فائل کھول کر دوبارہ اسے دیکھنے لگا۔

اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ایسی نمی جو ہر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔صرف وہی دیکھ سکتا ہے جس کے دل کی حالت اس کے دل جیسی ہو۔

ٹوٹی اور زخمی۔

—☆☆☆—

تنزیلہ چائے کا کپ پکڑے کچن سے باہر نکل رہی تھی جب مرید صاحب اسے لونگ روم کی طرف آتے دکھائی دیے۔

"آپ آفس کے لئے نہیں نکلے ابھی تک۔" وہ بھی لونگ روم کی طرف چلی آئی۔

مرید صاحب صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"نہیں تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

وہ بھی سنگل صوفے پر پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔

"جی کریں۔" اس نے کپ ہونٹوں کے قریب کیا لیکن صرف چائے کی گرمی اور خوشبو محسوس کی۔

”کیا میں ٹھیک کر رہا ہوں۔ میرا مطلب یہ رشتہ۔“ مرید صاحب الجھن میں تھے۔

”میرب نے اچانک ہاں کر دی تھی۔ مجھے عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے۔“

”مرید صاحب اگر آپ کو ٹھیک نہیں لگ رہا تو ابھی نکاح کی تاریخ طے مت کریں۔“ تنزیلہ بولی۔ ”ہو سکتا ہے یہ بے چینی اشارہ ہو۔“

”کیسا اشارہ۔“ انہوں نے تنزیلہ کو دیکھا۔

”میرا مطلب یہ gut feeling ہے جو کہہ رہی ہے کہ یہ سب اتنی جلدی ٹھیک نہیں ہے۔ تو یہ ایک قسم کا اشارہ ہوا۔“ اس نے چائے کا ایک سپ لیا۔

مرید صاحب پریشان لگ رہے تھے۔

”تمہیں کبھی میرب نے اس رشتے کے حوالے سے کوئی بات کی۔“ اس نے صوفے سے ٹیک لگائی۔

”نہیں۔۔۔ لیکن وہ خوش نہیں لگتی۔“ اس نے کپ کو دیکھا۔

اچھا موقع ہے مرید صاحب کو سوچنے پر مجبور کرنے کے لئے۔ تنزیلہ نے سوچا۔

"میرب کی ماں ہوتی تو یہ فیصلہ لینے میں میری مدد کرتی۔" یہ بات کہتے ہی انہوں نے تنزیلہ کو دیکھا تھا۔

"میں اسکی سگی ماں نہ سہی لیکن میں رشتے میں اس کی سوتیلی ماں تو لگتی ہی ہوں۔ مانا ہمارا رشتہ پہلے کچھ ٹھیک نہ تھا لیکن میں یہ کبھی بھی نہیں چاہوں گی کی آپ کوئی غلط فیصلہ کریں۔ سگی یا سوتیلی ماں کی طرح نہ سہی میں ایک دوست کی طرح اسکی ہمدرد ہوں اور آپ کی بھی۔ میں نے آپ کو کبھی کہا نہیں لیکن مجھے یہ رضا صاحب کی بیوی اور بیٹا بالکل بھی اچھے نہیں لگے۔"

"کیوں اچھے نہیں لگے۔" مرید صاحب جیسے چونکے تھے۔ "اتنے اچھے لوگ تو ہیں۔"

"انکی بیوی مجھے بہت عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی اور یقیناوہ ہمارے رشتے کے بارے میں اپنی امیر دوستوں کے ساتھ گوسپ بھی کرتی ہو گی۔ایسی عورتیں خود جیسی مرضی ہو لیکن کسی کی دوسری شادی کو گوسپ کا موضوع بنا لیتی ہیں۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔" اتنا کہنے کے بعد مرید صاحب کو جیسے کچھ سمجھ آئی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں۔'' تنزیلہ نے انہیں سوچتے ہوئے دیکھا تو بولی۔ ''سوچ ہی رہے ہیں تو اپنی بیٹی کے اس رشتے کے متعلق بھی سوچیں۔ ابھی تو صرف منگنی ہوئی ہے۔ منگنی تو ٹوٹ بھی سکتی ہے۔''

''ہوں۔۔۔'' وہ صرف اتنا ہی بول سکے۔

اس نے اپنی چائے ختم کی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

مرید صاحب سوچنے لگے شاید وہ اپنا فیصلہ بدل دیں۔

—☆☆☆—

جو لوگ پاس ہوتے ہیں ہمیں انکی قدر نہیں ہوتی جبکہ جو پاس ہوتے ہیں انکی قدر زیادہ کرنی چاہیے کیونکہ وہ ہمارے لئے محنت کرتے ہیں، ہمیں محبت کرتے ہیں اور ہماری کیئر کرتے ہیں۔

اصل میں ہم لوگ ناشکرے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بات پر بے امید ہو جاتے ہیں اور بے صبری تو ہم میں بھری پڑی ہے۔

میرب اپنے کمرے میں تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھی علی اور اپنی تصویر دیکھ رہی تھی۔

اس تصویر میں وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے مسکراتے ہوئے خوش دکھائی دے رہے تھے۔

میرب نے اداسی سے علی کے مسکراتے چہرے کو زوم کیا۔

"میری غلطی تھی۔" اس نے جیسے اعتراف کیا۔

غلطیوں کا احساس اکثر اس وقت ہوتا ہے جب سارے راستے بند ہونے لگتے ہیں۔

"تمہاری بات مان کر میں تھوڑا انتظار کر لیتی۔ یوں گھر سے بھاگ جانے کا نہ سوچتی۔" وہ جیسے علی کے سامنے اپنی غلطی قبول کر رہی تھی۔ "مجھے اتنا بڑا فیصلہ لینے سے پہلے تم سے بات کرنی چاہیے تھی۔ وہ میں ہی تھی جو منہ اٹھا کر بنا سوچے اتنا بڑا قدم اٹھانے جا رہی تھی۔"

میرب کو اپنی گال پر علی کے ہاتھ سے لگا تھپڑ محسوس ہوا۔

"وہ تھپڑ سزا نہیں تھی بلکہ وہ تو مجھے ہوش میں لانے کے لئے تھا۔ تم نے مجھے خود سے نفرت ہونے دی تاکہ میں کوئی غلط قدم نہ اٹھالوں۔"

وہ بول رہی تھی۔اداسی سے۔ ""تم تھپڑ نہ مارتے اور پیار سے سمجھا دیتے تو آج ہم اس طرح دور نہ ہوتے لیکن نہیں تم نے مجھے تم سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا۔''

اس نے فون کو بند کیا۔

""کیا وہ نفرت تھی۔۔۔''اس نے ٹیک لگائی۔ ""نفرت ہوتی تو میرے دل میں یہ نرم گوشہ نہ تھا تمہارے لئے اور بھلا جس سے محبت ہو اس سے نفرت بھی کبھی ہوا کرتی ہے۔''

میرب نے آنکھیں بند کی۔

""تھپڑ کا بدلہ تو میں لوں گی کیونکہ اس طرح کسی کو مارنا جرم ہے اور ناانصافی بھی۔''میرب پھیکا سا مسکرائی۔

مجھے اس سے بات کرنی چاہیے۔ میرب نے سوچا۔

اس نے موبائل پکڑا اور علی کا نمبر انبلاک کر دیا۔

مجھے امید ہے وہ کال کر کے نمبر انبلاک ہوا یا نہیں، یہ ضرور چیک کرتا ہوگا۔میرب سوچتے ہوئے اٹھی اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

اسے روبی کی طرف جانا تھا۔

—☆☆☆—

فلک کل شیر جان کے گھر چلا گیا تھا۔ شیر جان نے اس شہر میں اپنا ذاتی گھر لے لیا تھا۔

شاہینہ کا کیس اتنی جلدی ختم تو ہونے والا تھا نہیں اور فلک کو آرام کی ضرورت تھی۔

یہ شہر کے ایک ڈیسنٹ علاقے میں بنا چھوٹا سا لیکن پیارا گھر تھا۔ چھے ماہ پہلے ہی شیر جان یہاں شفٹ ہوا تھا۔

اسے اپنا ذاتی گھر چاہیے تھا۔

کل رات وہ کافی باتیں کرتے رہے تھے۔ شیر جان نے آخری بار ہوئی ملاقات اور لڑائی کو نظر انداز کر دیا تھا۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ فلک نے شیر جان کے ساتھ کہیں جانے کا پلان بنایا تھا۔یہ پلان کوئی سات آٹھ دن بنتا رہا اور جس دن انہیں باہر گھومنے جانا تھا اس دن فلک نے شیر جان کو جھوٹ بول کر شاہینہ سے ملنے کا پلان بنالیا۔

لڑکی کے آتے ہی وہ دوستی بھول گیا تھا۔ایسا شیر جان کا سوچنا تھا۔

شاہینہ نے اسے جھوٹ بولنے کو کہا تھا کیونکہ اسی دن باہر جانے کی ضد شاہینہ کی ہی تھی جبکہ وہ جانتی تھی کہ یہ دونوں پلاننگ کر رہے تھے۔

کیا شاہینہ نے یہ سوچ سمجھ کر کیا تھا یا یہ صرف اتفاق تھا۔

شیر جان کبھی شاہینہ سے ملا نہیں تھا۔

اس رات شیر جان نے فلک کو کہا کہ یہ لڑکی ٹھیک نہیں ہے۔اس کے آتے ہی ہماری لڑائی ہو رہی تھی اور یہ بات فلک کو بہت بری لگی تھی۔

ہاں لگنی ہی تھی۔انسان پیار میں اندھا جو ہو جاتا ہے۔

اسے شاہینہ سے محبت ہو گئی تھی اور جب محبت ہو جائے تو مجرم بھی معصوم لگتا ہے۔

اس لڑائی کے بعد فلک کو گاؤں بھیج دیا گیا اور پھر ان دونوں نے رابطہ ہی نہیں کیا۔

فلک کو گاؤں جانے کا پوچھا گیا تھا اور وہ مان گیا۔ یہ اسکی خود کی مرضی تھی۔ چونکہ دوست سے لڑائی ہوئی تھی تو وہ خوشی خوشی گاؤں چلا گیا تھا۔

دوستیاں ایسے ہی ٹوٹتی ہیں۔ ہم سوچتے ہیں ہمیں "سامنے والا" میسج یا کال کرے گا لیکن وہ نہیں کرتا۔ انکے نظریے سے دیکھیں تو ان کے لئے ہم "سامنے والے" ہوتے ہیں۔

فلک بھی اسی امید میں تھا کہ اسکا دوست اس سے رابطہ کرے گا۔ اسے شاہینہ پر پورا یقین تھا جبکہ وہ اسے اچھے سے جانتا بھی نہیں تھا۔

پھر ایک دن شاہینہ کی کال آتی ہے کہ وہ تھانے ہے اور اس طرح وہ شیر جان سے دوبارہ مل سکا۔

اگر شاہینہ کی کال نہ آتی، اگر وہ قتل کیس میں گرفتار نہ ہوتی تو کیا وہ دوبارہ کبھی اپنے اکلوتے دوست سے مل پاتا؟

شاید شیر جان ہی رابطہ کر لیتا۔

اگلی صبح وہ دونوں تھانے آ گئے۔ فلک نے اس کیس میں شامل ہونے کے لئے درخواست جمع کروادی تھی۔

شاہینہ نے ایک رات حوالات میں گزاری تھی۔ رات دیر تک باتیں کرنے کے بعد جب شیر جان سونے گیا تو فلک اسی بارے میں سوچتا رہا۔ کبھی وہ کچھ سوچتا، کبھی کچھ وہ ساری رات جاگتا رہا۔

اگر اسکی محبت بے چین تھی تو سویا وہ بھی نہ تھا۔

"شیر جان۔۔۔ وہ لڑکا کون تھا۔۔۔ اس کا نام پتہ، فیملی کچھ ملا کیا۔۔۔" فلک جلد از جلد اس کیس کو حل کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں کچھ ثبوت ملے ہیں۔"

اس منظر کو یہیں روک کر ہم اس رات، اس کمرے میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاہینہ کے کال کرنے کے بعد شیر جان وہاں پوری ٹیم کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔

فوٹو گرافر کرائم سین کی تصویریں الگ الگ اینگل سے کھینچ رہا تھا۔ایک دو منٹ بعد اسکے کمرے کا بڑا سا فلیش چلتا اور کلک کی آواز آتی، ساتھ ہی روشنی ابھرتی۔

شاہینہ کو کچن سائیڈ کی طرف لے آیا گیا تھا۔وہ بے چین سی بیٹھی پانی کے گلاس کو دیکھ رہی تھی۔

اسکے پاس کھڑی لیڈی کانسٹیبل اسے دیکھ رہی تھی۔

کمرے میں واپس آئیں گے تو لیب ٹیم والے چاقو، بستر پر بچھی چادریں، لاش کے ڈی این کے نمونے اور آس پاس کی چیزوں کا جائیرہ لیتے ہوئے انہیں جمع کر رہے تھے۔

شیر جان لاش کے پاس کھڑا اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔وہ لڑکا بنا شرٹ کے تھا اور اس کے سینے میں چاقو تھا۔

اور خون پر کر آس پاس بھی پھیلا ہوا تھا۔

"یہاں صورت حال سے تو لگ رہا ہے کہ جیسے یہ لڑکی اسکے ساتھ یہاں۔۔۔"

”اتنی جلدی کسی فیصلے تک نہ پہنچو منے۔۔۔جو دکھائی دے رہا ہے، ہو سکتا ہے ویسا ہو ہی نہ۔“شیر جان نے پاس کھڑے کانسٹیبل کو ٹوکا تھا۔

”یہاں قتل ہوا ہے اور قاتل خود کبھی اپنا جرم اتنی جلدی قبول نہیں کرتا۔۔۔اس لڑکی نے تو خود ہمیں بتایا ہے اس قتل کے بارے میں۔“

”سر اس لڑکی سے بات کریں۔“مشورہ دیا گیا تجسس کے مارے۔

شیر جان نے ایک نظر اسے دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو بڑی جلدی ہے بات کرنے کی۔

وہ نظروں ہی نظروں میں شرمندہ ہوا۔

”ہاں چلو۔“

یہ سن کر وہ خوش ہوا اور دونوں کچن کی طرف آگئے۔ کچن اس بیڈروم کے ساتھ ہی تھا۔ چھوٹی سی دیوار تھی۔

”شروع سے بتائیں۔“شیر جان کرسی کھسکا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

شاہینہ ابھی تک پانی کے گلاس کو دیکھ رہی تھی۔

جیسے شاک میں ہو۔ اور وہ شاک میں لگ بھی رہی تھی۔

ہاں قتل کرنے کے بعد تھوڑا شاک تو لگتا ہی ہو گا۔

”میں اپنی دوست کے ساتھ تھی۔اس کے ہاسٹل میں۔مجھے اچانک نیند آئی اور جب میں جاگی تو میں یہاں تھی۔اس بستر پر اور وہ لاش۔۔۔لڑکا۔۔۔“

”اپنی دوست کا نمبر،اپنا مکمل بیان اس ہماری لیڈی کانسٹیبل کو دے دو۔“شیر جان اٹھا اور بیڈ والی سائیڈ پر آ گیا۔”آپ کو ہمارے ساتھ اسٹیشن میں جانا ہو گا۔“

”کیا کوئی اسے پھنسا رہا ہے سر۔۔۔“

”پتا نہیں ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔“

”کیا پتا یہ اس کا عاشق ہو اور یہ اس سے ملنے ہوٹل آئی ہو اور۔۔۔“

”اپنی اس لمبی چلتی زبان کو ذرا بریک لگاؤ۔“

”سر۔۔۔“

”باڈی کو پوسٹ مارٹم کے لئے تیار کرو۔“شیر جان باہر نکل آیا۔

باہر نکلتے ہوئے اسے گیلے پیروں کے نشان نظر آئے۔

"ماریہ یہ پیروں کے نشان بھی جمع کرلینا۔" شیر جان نے ایک لڑکی کو اشارہ کیا جو میز پر پڑے یوزڈ ٹشو پیپرز کو پلاسٹک کے تھیلے میں ڈال رہی تھی۔

لڑکے کی جیب سے اسکی آئی ڈی بھی برامد ہوئی تھی اور کچھ نئے نوٹ بھی۔ بڑے نوٹ۔

"اور عثمان کو نیچے بھیجو تاکہ وہ سی سی ٹی وی کی فوٹج جمع کر سکے۔ ایک منٹ کی فوٹج بھی مس نہ ہو پائے۔"

ماریہ یس سر کہتے ہوئے واپس مڑی۔

شیر جان ہوٹل کے مینیجر کے آفس میں چلا آیا۔ جس پل وہ اندر داخل ہوا مینیجر فون پر کسی سے بڑی رومانٹک انداز میں بات کر رہا تھا۔

شیر جان کے اندر آتے ہی اس نے کال کاٹی۔

اسے لگا شیر جان دستک دے کر آئے گا لیکن وہ شیر جان تھا اسے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔

''واہ مینیجر صاحب۔''شیر جان کرسی پیچھے کر کے بیٹھ گیا۔''آپ کے ہوٹل میں قتل ہو گیا ہے اور آپ یہاں اپنی محبوبہ سے گپیں مار رہے ہیں۔''ساتھ ہی وہ ہنسا۔

''شکل سے تو دو بچوں کے باپ لگتے ہو۔بیوی سے تو ایسے ہنس ہنس کے بات کرتے نہیں ہو گے۔تمہاری بیوی کو پتا ہے تمہارے اس چکر کے بارے میں۔''

یہ سن کر مینیجر کے طوطے اڑ گئے۔''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''اس نے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھا۔

''خیر۔۔۔وہ کمرہ کس کے نام پر بک تھا اور وہ لڑکا کب کب اس ہوٹل میں آیا ہے۔مجھے اس سب کی تفصیل چاہیے۔''شیر جان نے ہاتھ پر بندھی گھڑی کو دیکھا۔''دس منٹ کے اندر اندر۔''

مینیجر اٹھا اور شیشے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

شیر جان اٹھا اور مینیجر کی پاور چیئر پر آ کر بیٹھ گیا۔

''تو ایسی ہوتی ہے مینیجر کی کرسی۔''اس نے زیر لب کہا۔

دو تین منٹ بیٹھنے کے بعد وہ اٹھا اور آفس کا جائزہ لینے لگا۔

کمرے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور عثمان اندر داخل ہوا۔

”سر کل رات اور آج صبح کی ساری فوٹیج غائب ہے۔“

”مجھے پہلے سے ہی شک تھا کہ فوٹیج غائب ہو گی۔“ شیر جان اٹھا اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

”مینیجر کو بلاؤ۔“ وہ باہر استقبالیہ تک آ گئے تھے۔ ”اسی نے غائب کیا ہو گا ڈاٹا۔ یقینا اسے اس کام کے بہت سارے پیسے ملے ہو گیں یا ہو سکتا ہے وہ بھی اس قتل میں شامل ہو۔“

”یس سر میں ابھی لاتا ہوں اسکو۔“ وہ اتنا کہہ کر ایک طرف نکل گیا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آیا۔ وہ بھاگتا ہوا واپس آیا تھا۔

”سر مینیجر بھاگ گیا۔“

شیر جان مسکرایا۔ ”کچھ نہ کچھ تو جھول ہے یہاں۔“

”تم لاش اور ثبوتوں کو لیب بھیجو اور ملزمہ کو لے کر میرے ساتھ چلو۔“

—☆☆☆—

"وہ مینیجر بھاگ گیا تھا لیکن کا نام پتہ سب کچھ میں نے وہاں کے سٹاف سے نکلوا لیا تھا۔ لڑکے کی پہچان اسکے آئی ڈی کارڈ سے ہو گئی تھی۔ اس لڑکے کا نام خلید احمد تھا اور سب سے مزے دار بات وہ تمہاری سو کالڈ منگیتر کا کزن تھا۔"

فلک نے شیر جان کی ساری بات خاموشی سے سن رہا تھا۔

"شاہینہ کے بیان کے مطابق وہ اپنی دوست کے ساتھ اسکے ہاسٹل میں تھی، پھر وہ سو گئی اور جب وہ جاگی تو اس کمرے میں تھی۔ جب اسے ہوش آئی تو اس نے لاش دیکھی۔ وہ گھبرا گئی اور پولیس کو کال کر دی۔"

"مطلب کوئی اسے پھنسا رہا ہے۔۔۔ شاید اسکا کوئی دشمن۔۔۔" فلک سوچتا ہوا بولا۔

"ہاں اسکے بیان سے تو ایسا ہی لگ رہا ہے جیسے یہ اسکے خلاف سازش تھی لیکن کوئی اتنی پلاننگ کرے گا ہی کیوں۔" شیر جان بولا۔ "اور وہ تو تمہاری منگیتر ہے نا تو تمہیں تو اسکے دوستوں، دشمنوں کا پتا ہو گا ہی۔" لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

"مجھے اس سے ملنا ہے۔" فلک بے چینی سے بولا۔

اس نے شیر جان کے طنزیہ لہجے کو نظرانداز کیا تھا۔

"فلک یہ کیس مجھے ہی ہینڈل کرنے دو۔ کیس میں شامل ہونے کی درخواست کو واپس لے لو۔" شیر جان نے اسے سمجھانا چاہا۔ "تم کیس کو پرسنل نظریے سے دیکھو گے جبکہ میں پولیس والے کی طرح کام کروں گا۔ اور میرا وعدہ ہے تم سے اگر شاہینہ بے قصور ہے تو اسے انصاف ضرور ملے گا۔"

فلک نے اپنے لمبے چوڑے دوست کو شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"مجھے چار دن بعد ایک کیس کی سنوائی پر جانا ہے۔ وہ کیس گاؤں کا ہے۔ دو آدمیوں نے ایک لڑکی کے ساتھ عصمت دری کی تھی۔ میرے ساتھ چلو گے فیصلہ سننے۔"

"ہاں میں ضرور چلوں گا۔۔۔ لیکن ابھی تم گھر جاؤ اور آرام کرو۔"

"شکریہ۔۔۔ اور سوری ہماری آخری ملاقات خوشگوار نہیں تھی۔ تم میرے دوست ہو۔۔۔ میرے بھائی ہو۔۔۔"

شیر جان نے مسکراتے ہوئے اسے کندھا مارا۔

فلک اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گرتے گرتے بچا۔

”شیر یار دیکھ تو لیا کرو سامنے ہے کون۔ ابھی میں نے گر جانا تھا۔“ فلک ہنستے ہوئے بولا۔ ”میں جسامت میں آدھا ہوں تم سے اور تم مجھے۔۔۔“

”اچھا اچھا بس کرو میری چھوئی موئی۔۔۔ گھر جاؤ اور آرام کرو۔“

فلک اللہ حافظ کہہ کر مڑنے ہی لگا تھا کہ شیر جان نے آواز دی۔ ”گھر ہی رہنا کہیں جاسوس بن کر پورے شہر میں گھومتے نہ پھرنا۔ میں لنچ پر آؤں گا گھر۔“

فلک نے سر ہلایا اور تھانے سے باہر نکل آیا۔

کیا وہ سچ میں شیر جان کی بات مان کر گھر بیٹھ جائے گا۔

ہر گز نہیں!

—☆☆☆—

یہ investigation room تھا۔

دو کرسیاں۔ میز کے باکل اوپر لگی سپاٹ لائٹ۔ بالکل فلمی ماحول۔ لیکن یہ کوئی فلم نہیں تھی کہ ملزمہ کے بات کرنے سے پہلے ہی اسکا وکیل آئے اور اسے بیل پر نکلوا لے گا۔ یہ اصل دنیا ہے یہاں یہ سب اتنی جلدی نہیں ہوتا۔

''آپ نے اپنے کزن کو آخری بار کب دیکھا تھا۔ اس کزن کو جسکی لاش ہمیں آپ کے ساتھ اس کمرے میں ملی۔''

''کچھ ماہ پہلے ملی تھی جب انہوں نے مجھے گھر سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا۔''

''اسکے بعد آپ کی نہ اس سے بات ہوئی اور نہ ملاقات؟''

''نہیں۔۔۔ مجھے اس قتل میں کوئی پھنسا رہا ہے۔ میں اپنے کزن کو قتل کیوں کروں گی بھلا۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''کیونکہ انہوں نے آپ پر ساری زندگی ظلم کئے اور آخر میں آپ کو گھر سے نکال دیا۔ زیادہ تر جرائم پرسنل دشمنیوں کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں۔'' شیر جان کو پتا تھا یہ کیا بولے گی۔ (میں نے یہ قتل نہیں کیا۔)

''میں نے یہ قتل نہیں کیا۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

شیر جان نے ایک طرف پڑی فائل اٹھائی اور کھول کر دیکھنے لگا۔اس فائل میں وکٹم کی انفارمیشن تھی اور ایک طرف اسکی تصویر بھی چپکی ہوئی تھی۔

یہ تصویر اسکے شناختی کارڈ سے اسکین کی گئی تھی۔

ایک طرف اسکا نام اور عمر لکھی ہوئی تھی۔نام خلید احمد، عمر جو بیس۔

''میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں میڈم۔'' شیر جان نے فائل سے چند تصویریں نکال کر شاہینہ کے سامنے رکھی۔

یہ خلید احمد کے مردہ جسم کی تصویریں تھیں۔خون سے لت پت۔

''یہ دیکھو۔۔۔یہ قتل ہوا ہے اور یہ لاش انصاف مانگ رہی تھی۔'' وہ ایک لمحے کو رکا۔''کچھ دیر تک خلید احمد کی فیملی یہاں پہنچ جائے گی اور وہ یہ نہیں سوچے گی کہ قاتل کون ہے۔وہ تمہیں قاتل سمجھے گے کیونکہ تم اس کمرے میں تھی۔''

شاہینہ نے تصویروں کا ایک نظر دیکھا لیکن وہ گھبرا کر سامنے دیکھنے لگی۔

اسے پسینہ آرہا تھا۔

''بہتر ہے کہ پورا سچ بتا دو۔'' شیر جان نے غور سے اسے دیکھا۔

”میں اپنی دوست کے ہاسٹل میں۔۔۔“

”تمہاری دوست کو بھی بلوالیا ہے۔آگے بولو!“شیر جان نے کالہجہ سخت تھا۔”تم پولیس والے کی منگیتر ضرور ہو لیکن تم کسی کا قتل کر کے یوں ہی نکل نہیں سکتی۔“

”لیکن۔۔۔“

”شٹ اپ! تم نے بڑی مہارت سے یہ قتل کیااور اب ناٹک کر رہی ہو۔“

شیر جان کالہجہ مزید سخت ہو گیا تھا۔

فلک اور اس میں یہی فرق تھا۔شیر جان ملزم کو شرافت سے نہیں بلکہ غصے اور سختی سے investigate کیا کرتا تھا۔

—☆☆☆—

میرب تیار ہو کر روبی کی طرف آئی تھی۔

اسے اپنا دل ہلکا کرنا تھا۔اسے کسی سے بات کرنی تھی۔ تنزیلہ کو آیان کا سچ بتادینے سے اسکے دل کو سکون تو ملا تھا لیکن تسلی نہیں ملی۔

روبی نے چائے کا مگ میرب کو تھمایا۔

"یار میرا دل گھبرا رہا ہے۔" میرب نے پھیکے سے لہجے میں بات شروع کی۔ "مجھے آیان سے شادی نہیں کرنی اور آیان تو نکاح کی تاریخ طے کرنے کا سوچ رہا ہے۔"

روبی صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

"یار زمان علی نے تمہیں چھوڑ دیا۔" روبی نے اسکا دل ہلکا کرنا چاہا۔ "تم نے move on کیا۔۔۔" روبی ایک لمحہ رکی۔ "تم نے موو آن کر لیا نا؟"

میرب نے اداسی سے روبی کو دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں ابھی تک علی کی محبت نظر آتی تھی۔

"تم ابھی تک اس سے محبت کرتی ہو!" روبی کو جیسے شاک لگا تھا۔ "مجھے تو لگا تم نے اسے چھوڑ دیا کیونکہ وہ تمہارے ٹائپ کا نہیں تھا۔"

"روبی۔۔۔" میرب نے اس رات کی ساری کہانی اسے سنا دی۔ "اور میں اس سے پیار کرتی ہوں۔ وہ میرے ٹائپ کا ہے یا نہیں، مگر مجھے اس سے پیار ہے۔"

کس طرح وہ گھر سے بھاگ جانا چاہتی تھی اور کس طرح علی نے اسے تھپڑ مار کر واپس بھیجا تھا۔

”اس نے تمہیں مارا!“ روبی غصے میں بولی۔ ”اسکی ہمت کیسے ہوئی۔“

”وہ تھپڑ مجھے ہوش میں لانے کے لئے ضروری تھا۔وہ تھپڑ میرے چہرے پر نہیں میری مفلوج سوچ پر لگا تھا۔“

”وہ سکون سے سمجھا بھی تو سکتا تھا نا۔“ روبی ابھی تک شاک میں تھی۔ ”تم نے مجھے یہ پہلے کیوں نہیں بتایا۔اور میں یہ سمجھتی رہی کہ تم دونوں نے بریک اپ کر لیا ہے اور تم اب کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہو۔“

”اس نے مجھے نہیں چھوڑا۔میں تب غصے میں تھی۔وہ تھپڑ نہ پڑتا تو میں آج نا جانے کہاں ہوتی۔وہ پیار سے سمجھا سکتا تھا لیکن میں تب سمجھنے والی کہاں تھی۔میں تو لوگوں پر ملکہ کی طرح حکم صادر کرتی رہتی تھی بنا یہ سوچے کہ وہ بھی زندہ انسان ہیں اور انکے پاس بھی دل ہے۔“ میرب ایک لمحے کو رکی۔ ”بھاگ جانے کا منصوبہ میرا تھا جبکہ بابا سے بات کرتی تو بھاگنے کی نوبت نہ آتی لیکن میں پاگلوں کی طرح گھر سے بھاگنے جا رہی تھی۔وہ تو ایک تھپڑ نے مجھے روک دیا۔اس تھپڑ کا نقصان بھی ہوا لیکن فائدہ بھی ہوا۔“

"تم علی کو چاہتی ہو تو اس رشتے کو توڑ دو۔ یقیناً انکل سمجھ جائیں گے۔" روبی نے مشورہ دیا۔

"یہ اتنی آسانی سے تو ہو گا نہیں اور مجھے کیا پتا کہ علی اب میرے ساتھ رہنا چاہتا بھی ہے یا نہیں۔"

"تو اس سے پوچھ لو۔" ایک اور مشورہ۔

"ہاں منہ اٹھا کر میسج کر دوں کہ علی میرے ساتھ شادی کرو گے۔" میرب پھیکا سا مسکرائی۔

"ہاں۔۔۔ کر دو۔" روبی ہنسی۔

میرب بھی ہنس دی لیکن اس ہنسی میں اداسی تھی۔

اس نے اتنے اچھے انسان کو چھوڑ کو ایک جرائم پیشہ انسان سے رشتہ جوڑ لیا تھا۔

اس سب سے نکلنا اتنا آسان نہیں تھا۔

وہ بولنے کے لئے لب کھولنے ہی والی تھی اسکے فون پر میسج کی ٹون بجی۔

اسے انسٹا گرام پر ایک پیغام آیا تھا۔ یہ میسج thethirdguy نے بھیجا تھا۔

''آج بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔''اس نے میسج پڑھا۔

کیا یہ میرا stalker ہے۔میرب نے سوچا اور موبائل ایک طرف رکھ کر روبی کی طرف متوجہ ہوئی۔

ایک بار پھر میسج کی ٹون بجی۔

''دوست کے گھر سے کب نکلو گی۔''اس نے نیا میسج زیر لب پڑھا۔

''کس کا میسج ہے۔۔۔''روبی نے پوچھا۔

''پتا نہیں کون ہے۔''میرب نے مگ کی طرف دیکھا۔

باتیں کرتے ہوئے چائے تو وہ بھول ہی گئی تھی۔اس نے نیم گرم چائے کے دو تین سپ لئے اور مگ ایک طرف رکھ دیا۔

—☆☆☆—

جہان اپنے آفس میں بیٹھا،لیب ٹاپ کھولے کوئی ای میل پڑھ رہا تھا۔

اسکے ایک امیر زادے کلائینٹ کی کوئی نازیبہ تصویریں لیک ہو گئیں تھی اور جہان اسکی کی ای میل پڑھ رہا تھا۔

ای میل پڑھنے کے بعد جہان نے ایک نمبر پر کال ملائی۔

دوسری طرف سے فوراً کال اٹھالی گئی تھی۔

''تمہاری تصویریں ہر جگہ سے ہٹ جائیں گی۔ تم بیس لاکھ میرے اکاؤنٹ میں ڈال دو۔'' وہ رکا اور دوسری طرف کی بات سننے لگا۔

''یہ سب ایسی گھٹیا پکس بنانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔اب جس جس نے وہ دیکھ لی یا یا شیئر کی وہ تو میں فکس نہیں کر سکتا لیکن مین سارس سے سب کچھ ہٹ جائے گا۔ہاں بدنامی ہوگی لیکن تمہاری زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے گی۔'' بات سننے کے بعد وہ بولا تھا۔

اس نے دوسری طرف کی بات سنی، کال بند ہوئی اور اسنے فون ایک طرف رکھ کر انٹر کام سے زیب کو اندر بلایا۔

''تصویروں کو ہٹادو۔اس نے بیس لاکھ ٹرانسفر کر دیا ہے۔'' جہان بولا۔

''اوکے سر۔'' زیب اتنا کہہ کر باہر نکل آیا۔

"خود فوٹو زلیک کروائی اور خود ہی ہٹوا رہے ہیں۔ جہاں صاحب اور انکے دو نمبر دھندے۔" زیب بڑبڑاتا ہوا اپنے میز تک آیا۔ "دو دو جگہ سے پیسے کما لئے اور مجھے بونس دیتے ہوئے موت پڑ جاتی ہے۔"

اس نے ڈراک ویب کا اپنا ایک اکاؤنٹ کھولا اور چند تصویریں جو اس نے کل اپلوڈ کی تھیں، انہیں ڈلیٹ کرنے لگا۔

"کاش کوئی ڈھنگ کی نوکری مل گئی ہوتی۔۔۔اللہ مجھے نکال اس جہنم سے۔" اس نے لاشعوری طور پر اوپر دیکھا۔

اوپر جھومر چمک رہا تھا۔

زیب نے اپنا کام ختم کیا اور اپنا موبائل نکال کر اس پر کوئی ڈرامہ دیکھنے لگا۔

اندر جہان کرسی سے ٹیک لگائے، آنکھیں بند کئے کچھ سوچ رہا تھا۔

میرب نے اسے جواب نہیں دیا تھا۔ اس نے فیک اکاؤنٹ سے اسے میسج کیا تھا لیکن وہ ان لوگوں میں سے نہ تھی جو منہ اٹھا کر رینڈم لوگوں سے دوستی کر لیتے ہیں۔

سوشل میڈیا کی دوستیاں بڑی عجیب ہوتی ہیں۔نہ سامنے والے کے ماضی کا پتا ہوتا ہے نہ نیچر کا۔ ہمیں تو صرف وہ معلوم ہوتا ہے جو انکی ٹائم لائن پر میسر ہوتا ہے۔اور وہ سب وہی ہوتا ہے جو وہ دنیا کو دکھاتے ہیں۔فوٹوز کی طرح اپنی زندگی پر بھی فلٹر لگاتے ہیں اور حقیقت میں انکی شخصیت انکی فلٹر شدہ پرسنالٹی کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ایسی دوستیاں زیادہ نہیں چلتیں اور بہت جلد اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔اور سوشل میڈیا کی دوستی سے بھی زیادہ خطرناک آن لائن محبت ہے۔ایسی محبتیں اکثر جہان کے اس کلائینٹ کی طرح ختم ہوتی ہیں جو اپنی تصویریں ہٹوا رہا تھا۔وہ بھی کسی آن لائن محبت کے چکر میں پڑ گیا تھا۔اس نے اپنی بولڈ پکس کسی کو بھیجی ہو گیں جو جہان کے ہاتھ لگ گئیں۔اور جہان تو پھر بزنس مین ہے۔اس نے موقع دیکھا اور اس ہر چوکا مار دیا۔جہان نے وہ تصویریں چند ایک فیک pages پر ہی لگائی تھیں تاکہ وہ سچ میں وائرل نہ ہو جائیں۔

جہان نے آنکھیں کھولیں۔

اس نے اپنا انسٹا گرام کھولا اور thethirdguy

والا اکاؤنٹ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

وہ اپنی پہچان چھپا کر کسی کے دل میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتا۔ یہ بات وہ سمجھ چکا تھا۔

اسے وہ دن یاد آیا جب میرب۔۔۔

یہ بات کسی اور وقت، کسی اور دن بتائیں گے ابھی کے لئے جہان کو ایک اہم کال کرنی ہے۔

اس نے ساغر کو کال ملائی۔

دوسری گھنٹی پر ساغر نے کال اٹھالی۔

''کیسا چل رہا ہے سب۔'' جہان بولا۔ ''کوئی نئی اپڈیٹ دینا چاہتے ہو۔'' اسکا لہجہ سوالیہ تھا۔

اس نے ساغر کی بات سنی اور او کے بائے بول کر کال کاٹ دی۔

—☆☆☆—

چمن پور کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو چکے تھے۔

مٹیار گل نے رجب اور سلمہ کو رانی کے قاتلوں کی گرفتاری کا بتادیا تھا اور وہ انکو تسلی دے رہا تھا۔

"ان دونوں کو پھانسی ہو گی۔ تمہاری بیٹی کو انصاف ملے گا۔" مٹیار گل، رجب کے پاس بیٹھا تھا۔

سلمہ کو یہ سن کر سکون تو ملا تھا لیکن وہ دکھی تھی۔ اسکی آنکھوں میں آنسو تھے۔

مریم سکول گئی ہوئی تھی۔

اسکی جوان بیٹی کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا اور مرنے سے پہلے نا جانے اسکی روح اور جسم کو کتنی بار زخمی کیا گیا تھا۔

سلمہ کچھ بولی نہیں۔

رجب بھی خاموش تھا۔ مٹیار گل انکو تسلی دینے کے بعد تھانے آ گیا۔

"انکی زندگیاں اب واپس پہلے جیسی نہیں ہو سکتیں۔" مٹیار گل زیر لب بولا تھا۔

ایسے حادثوں کے بعد کہاں کوئی خوشی سے رہ پاتا ہے۔ ایک موت سارے گھر کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔

سہ گوش
(از زین علی)

موسم اچھا تھا اور ہلکی ہلکی ہوائیں چل رہی تھیں۔

اس گھر سے دور نئ حویلی کے لان میں ساغر اور علی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"کیا لوگوں کو بھول جانا آسان ہوتا ہے ساغر۔"

علی نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

ساغر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔"وقت لگتا ہے اور ہم کسی کو پوری طرح سے نہیں بھول پاتے۔ کبھی کبھی یاد تو آہی جاتا ہے۔ کبھی خیال آجاتا ہے کسی بات پر یا کبھی دل ان سے ملنے کی خواہش کرتا ہے۔ سو ہاں۔۔۔"

لان کے پچھلے حصے میں باغیچہ تھا۔ پھولوں کی خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔

علی کو میرب کی یاد آئی تھی۔

"ہم جن سے محبت کرتے ہیں، ہمیں انکی بری باتیں بھی یاد آتی ہے۔"

علی کو یاد آیا کس طرح میرب اس کو اپنی مرضی کے کپڑے پہنے پر مجبور کیا کرتی تھی۔

"ہمیں انکا غصہ بھی یاد آتا ہے۔"

اسے یاد آیا کس طرح اس نے ایک بار رستوان میں کانچ کا گلدان زمین پر دے مارا تھا۔

””ہمیں انکی بورنگ باتیں، دلچسپ باتیں یاد آتی ہیں۔“

علی کے ذہن میں میرب کا دوسروں کے لئے گوسپ کرنا آیا اور اسکا مختلف چیزوں میں غیر ضروری دلچسپی لینا یاد آیا۔

””ہمیں انکا پہناوا یاد آتا ہے۔“

””تم دونوں واپس کب جا رہے ہو۔“ یہ چودھری سلطان تھے جو کندھے پر چادر سجائے انکی طرف آ رہے تھے۔

دونوں ادب سے کھڑے ہوئے۔

””آج شام نکلیں گے بابا جان۔“ علی نے جواب دیا۔

سلطان کرسی بیٹھ گئے۔

وہ دونوں کھڑے ہی رہے۔

””کیسی لگی ہماری حویلی۔“ وہ ساغر سے پوچھ رہے تھے۔

''بہت شاندار ہے سر۔'' ساغر بہت سوچ سمجھ کر بول رہا تھا۔

''مجھے خود کو چودھری صاحب کہلوانا زیادہ پسند ہے۔'' انہوں نے ایک تیز نظر اسے دیکھا۔

''چودھری صاحب۔۔۔'' وہ زیر لب بولا۔

''اچھا بابا ہمیں گاؤں دیکھنے بھی جانا ہے آپ کے لئے چائے بنا دوں۔''

''ہاں بنا دو۔''

علی نے ایک کپ چائے بنا کر اپنے ابا کو پیش کیا۔

اور اپنے کپ اٹھا کر اندر لے آیا۔

''میرے بابا سخت قسم کے آدمی ہیں۔ انہیں شہری لوگ زیادہ پسند نہیں۔'' علی پھیکا سا مسکرایا۔

''کافی دلچسپ انسان ہیں۔'' ساغر نے تبصرہ کیا۔

''دلچسپ کا تو پتا نہیں لیکن میرے بابا نشانہ بازی میں ماہر ہیں۔'' وہ اپنے بابا کی تعریف کیئے بنا نہ رہ سکا۔

''ہوں۔۔۔''ساغر کچھ سوچ رہا تھا۔

—☆☆☆—

کمیل اور صلومی تیار کو ''گرے ٹاؤن''میں ایک گھر دیکھنے آئے تھے۔

یہ گھر باہر اور اندر سے بہت شاندار تھا۔

''مجھے تو یہ گھر بہت زیادہ پسند آیا۔''کمیل نے تبصرہ کیا۔

بروکر ایک طرف کھڑا تھا اور وہ دونوں کچن کا جائزہ لے رہے تھے۔

''تمہیں کیسا لگا۔''کمیل نے صلومی کی رائے جاننا چاہی۔

''بہت ہی خوبصورت۔''صلومی بولی۔''مجھے لونگ ایریا اور ماسٹر بیڈروم زیادہ اچھا لگا۔ باقی گھر کی شان و شوکت بھی کم نہیں ہے۔''

صلومی نے کھل کر اپنی رائے دی۔''کچھ دیواروں کا رنگ کچھ خاص نہیں ہے۔''

''وہ تو ہم اپنی مرضی سے کروالیں گے۔ میں کچھ تصویریں بنالیتا ہوں امی کو دکھانے کے لئے۔''کمیل نے چچی کو امی کہا تھا۔

صلومی لاشعوری طور پر مسکرادی۔

کمیل تصویریں بنانے لگا۔

"تو کیا سوچا آپ نے۔" بروکر انکی طرف چلا آیا تھا۔

وہ چھوٹے قد والا گول مٹول آدمی تھا۔

"ہمیں گھر بہت پسند ہے لیکن ہم اپنا حتمی فیصلہ آپ کو ایک دو دن تک بتا دیں گے۔ اسکے بعد باقی باتیں کر لیں گے۔" کمیل بولا۔ "آپ کچھ دن تک یہ گھر کسی کو مت دکھایئے گا۔"

"بالکل آپ اپنا وقت لیں۔" بروکر سادہ لہجے میں بولا۔

"چلیں۔" کمیل نے صلومی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں گھر سے باہر نکل آئے۔ بروکر بھی ان کے پیچھے باہر نکل آیا۔

"بہت جلد ملاقات ہو گی۔" کمیل نے اس سے ہاتھ ملایا۔

وہ کاروباری انداز میں مسکرا دیا۔

کمیل اور صلومی اپنی کار میں بیٹھ کر ہوٹل آ چکے تھے۔

"یہ لو ساری تصویریں امی کو بھیج دو۔" کمیل نے اپنا موبائل اسے دیا۔

صلومی کو پاس کوڈ یاد تھا۔اس نے ساری تصویریں واٹس ایپ کردیں۔

اچانک اسکی نظر آیان کی چیٹ پر گئی۔آخری میسج چھے ماہ پہلے کیا گیا تھا۔

"ان دونوں کا رابطہ نہیں ہے۔"صلومی نے سوچا۔

"کیا ہوا تمہیں، کیا سوچ رہی ہو۔" کمیل نے اسے گم صم دیکھا تو پوچھنے لگا۔

"بھوک لگی ہے؟"

وہ اسکا کتنا خیال رکھتا ہے نا۔

"نہیں بھوک تو نہیں لگی لیکن گول گپے کھائے جاسکتے ہیں۔"صلومی نے دماغ میں چلتے خیالوں کو ایک طرف رکھ دیا۔

"اچھا چلتے ہیں۔" کمیل دھیان سے گاڑی چلا رہا تھا۔

"کمیل میرے۔۔۔"

"صلومی مجھے پتا ہے تمہارے بہت سارے سوال ہیں۔میں سب کا جواب دوں گا اور تمہیں پوری بات بھی بتاؤں لیکن پہلے ہم اپنے گھر میں شفٹ ہو جائیں۔"

کمیل کو جیسے پتا تھا صلومی کیا پوچھنے والی ہے۔"میں ہر بات بتانے کو تیار ہوں۔"

صلومی کے دل کو تسلی ہوئی۔اسکا شوہر اس سب بتادے گا۔

وہ اس سے کچھ نہیں چھپائے گا۔

”بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ وہ تعریف کرنا نہیں بھولتا۔”یہ رنگ تم پر اچھا لگ رہا ہے۔“

صلومی نے بے اختیار کمیل کو دیکھا۔ہینڈسم جوان مرد اسکا شوہر تھا۔جو دل سے بھی حیسن تھا۔

اس نے دل ہی دل اللہ کا شکر ادا کیا۔

وہ گول گپے کھانے پہنچ چکے تھے۔

”یاد ہے جب ہم پہلی بار دونوں بازار آئے تھے اور تمہیں صرف گول گپے کھانے تھے۔“

وہ دونوں اسی گول گپے والے کے پاس آئے تھے۔

”جی مجھے یاد ہے۔“صلومی کے گال سرخ ہوئے۔

”چلو۔۔۔اندر بیٹھتے ہیں۔“

وہ دونوں ساتھ ساتھ اندر آ گئے۔

"لوگوں کی بیویاں مہنگے رستوان لے کر جاتی ہیں اپنے مظلوم شوہروں کو اور آپ ہمیں گول گپے والے کے یہاں لے کر آئی ہیں۔ کتنا خیال ہے آپ کو ہماری جیب کا۔" کمیل اچھے موڈ میں تھا۔

اس نے مہرون رنگ کی شرٹ پہن اور کالی پینٹ پہن رکھی تھی۔

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"اگلی بار کسی مہنگی جگہ کا ہی انتخاب کروں گی۔" صلومی نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

موسم خوشگوار ہو گیا تھا یا شاید محبت میں آسمان گلابی ہی لگتا ہے، محبت کرنے والوں کو۔

"صلومی۔۔۔" کمیل نے اسکا ہاتھ پکڑا۔

اسکے گال مزید سرخ ہو گئے۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔" کمیل کچھ بولنا چاہتا تھا۔

"جی۔۔۔" صلومی نے نظریں جھکائیں۔

"تم لال ٹماٹر لگ رہی ہو۔" کمیل مسکرایا۔

صلومی نے تیز نظروں سے کمیل کو دیکھا جو لاڈ سے بڑی سی مسکراہٹ سجائے اسے تک رہا تھا۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری ہو تم۔ دل کرتا ہے دیکھتا رہوں تمہیں۔"

ایک لڑکا گول گپے انکی میز پر رکھنے لگا۔

صلومی نے ہاتھ چھڑوا کر گول گپے کھانے شروع کر دیے۔

"گول گپوں کے آتے ہی شوہر بھول گئی۔" وہ بڑبڑایا جو صلومی سن چکی تھی۔

"شوہر زیادہ ضروری ہے لیکن گول گپوں کے ساتھ دغا بازی نہیں۔" وہ جان بوجھ کر اونچا بڑبڑائی تاکہ کمیل سن سکے۔

کمیل نے اسے کھٹا میٹھا پانی پیش کیا جو صلومی نے پکڑ کر اپنے سامنے رکھ لیا۔

—☆☆☆—

تنزیلہ اپنی امی کی طرف آئی تھی۔ وہ انمول سے ملنے کے بعد نیچے آ گئی تھی۔

سہ گوش
(از زین علی)

انمول دھیرے دھیرے ٹھیک ہو رہی تھی۔

اسکی امی نیچے بیٹھی ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہی تھیں۔

''آپ کیسی ہیں امی۔'' وہ امی کے پاس بیٹھ گئی۔

''میں چائے بناتی ہوں تم بیٹھو ٹی وی دیکھو۔'' اسکی امی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اور کھاؤ گی کچھ۔''

''جی نہیں امی صرف چائے کافی ہے۔''

اسکی امی چائے بنانے کچن میں چلی گئیں۔

''امی آپ انمول کو اکیلے سنبھال پا رہی ہیں نا۔'' تنزیلہ بھی انکے پیچھے کچن کی طرف آگئی۔

''ہاں بیٹا۔'' انہوں نے سادہ لہجے میں کہا۔

''امی۔۔۔'' تنزیلہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اپنی بھولی ماں کا چہرہ دیکھ کر چپ کر گئی۔

''تم خوش تو ہو نا بیٹا۔'' وہ پانی میں چائے پتی ڈال رہی تھیں۔ ''میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ تمہارے ساتھ میں نے بہت ناانصافی کی ہے۔''

''نہیں امی آپ نے کوئی ناانصافی نہ کی۔ میں خود اس رشتے کے لئے راضی ہوئی تھی اور ہمیں ضرورت بھی تو تھی ناسہارے کی۔''

''مجھے ضرورت سے زیادہ تمہاری زندگی کا سوچنا چاہیے تھا۔ ضرورتیں تو کام کر کے بھی پوری ہو سکتی تھیں۔ میں کہیں کام کر لیتی تو گھر چلتا رہا۔''

''جو قسمت میں تھا وہی ہوا۔ اس میں نہ آپکی غلطی ہے نہ میرا قصور۔'' تنزیلہ پھیکا سا مسکرائی۔

ضرورتیں ہم سے ہماری خوشیاں چھین لیتی ہیں۔

''کاش میں نے تب اس بے جوڑ رشتے کو قبول نہ کیا ہوتا۔'' انہوں نے پتیلی میں دودھ ڈالا۔

''میں مرید کے ساتھ خوش ہوں۔ پہلے اسکی بیٹی سے لڑائیاں ہوتی تھیں مگر اب اس سے میری کافی اچھی دوستی ہو گئی ہے۔''

''اچھا بیٹا۔۔۔ پھر بھی مجھے اس فیصلے کے لئے معاف کر دینا۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولی تھیں۔

"امی کیسی باتیں کر رہیں ہیں آپ۔ بھلا یہ کوئی بات ہے کرنے والی۔ آپ نے جو بھی فیصلہ کیا وہ میرے لئے بہتر ہی ثابت ہوا ہے۔" اس نے ماں کے ہاتھ کو پکڑا۔

"اچھا جائیں آپ میں لاتی ہوں چائے ڈال کر۔"

ماں نے اسکا ہاتھ پکڑ کر چوما۔ "میری فرمانبردار بیٹی۔"

تنزیلہ نے انہیں گلے لگالیا۔ "امی آپ اس بارے میں مت سوچا کریں۔"

تنزیلہ کی آنکھیں نم ہوئی تھیں لیکن پیچھے ہوتے ہوئے اس نے انہیں صاف کر لیا۔

"اچھا آپ جائیں، بیٹھیں۔" اسکا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

چائے کو کپوں میں ڈال وہ بھی لونگ روم چلی آئی۔

"یہ لیں امی۔" اس نے ایک مگ امی کی طرف بڑھایا۔ "امی آپ رو رہی ہیں۔"

ماں بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔ اسکے آتے ہی انہوں نے اپنے پلو سے آنسوؤں کو پونچھ لیا تھا۔

"نہیں بیٹا۔۔۔" روہانسی لہجہ۔

وہ کپ کو ایک طرف رکھ کے انکے قریب بیٹھ گئی۔

''تمہارے ابا حال ہی میں فوت ہوئے تھے۔مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ دو بیٹیوں کو کیسے اکیلے پالوں گی۔زمانہ بیوہ عورت کو کہاں چین سے جینے دیتا تھا۔جب وہ رشتہ آیا تو میں انکار نہ کر سکی۔میں نے رشتہ کر دیا۔''وہ بھیگے لہجے میں بتا رہی تھیں۔

''مجھے نہیں تھا پتا کہ میں تمہاری زندگی خراب کر رہی ہوں۔''

''امی۔۔۔ایسی کوئی بات نہیں ہے۔میں مرید کے ساتھ خوش ہوں۔۔۔آپ کو کیا ہو گیا ہے اچانک۔کیوں ایسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔میری زندگی تباہ نہیں کی آپ نے۔''

''کچھ نہیں بیٹا بس کبھی کبھی بہت دکھ ہوتا ہے تمہیں دیکھ کر۔''انہوں نے کپ کو دیکھا۔

بھاپ نکل رہی تھی گرما گرم چائے سے۔

''تم اپنا منہ ٹھیک کرو۔اب میں ایسی بات نہیں کروں گی۔''ماں نے تنزیلہ کا دکھی چہرہ دیکھا تو فوراً اپنا منہ بھی ٹھیک کیا۔

تنزیلہ ماں کی باتیں سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ اسے لگا اسکی ماں کو اس کی فکر نہیں تھی جو لالچ میں ایک امیر آدمی کے ساتھ بیاہ دیا۔ لیکن وہ غلط تھی۔ یہ سب مجبوری میں ہوا تھا۔

کبھی کبھی مجبوریاں انسان کو وہ فیصلے لینے پر مجبور کر دیتی ہیں جو انسان اپنی مرضی سے نہیں لینا چاہتا۔

"جی امی۔" وہ تھکے سے لہجے میں بولی تھی۔

یہ سب بتا کر اسکی ماں کا بوجھ تو کم ہوا تھا لیکن اس پر بھاری ہو گیا تھا یہ بوجھ۔

ساغر نے اسے بے شک چھوڑا تھا لیکن وہ انتظار کا کہہ کر گیا تھا لیکن تنزیلہ انتظار نہ کر سکی۔

—☆☆☆—

ساغر، علی کے ساتھ سارا گاؤں دیکھ آیا تھا۔ وہ باتیں کرتے ہوئے کافی خوشگوار لگ رہے تھے۔

دوپہر کے وقت علی گھر والوں سے مل کر ساغر کے ہمراہ شہر کے لئے نکل چکا تھا۔

ساغر کو شہر پہنچ کر کمیل سے بھی ملنا تھا۔ نا جانے اسے کیا بات کرنی تھی۔

ساغر اور علی کی دوستی اتنی پرانی نہیں تھی مگر کافی گہری ہو گئی تھی۔

"میں اسکے ساتھ مخلص ہو جاؤں گا۔" ساغر نے دل میں عہد کیا تھا۔

"اچھی بات ہے۔" دل نے لقمہ دیا۔

علی نے ساغر کو باہر دیکھتے، چپ بیٹھے دیکھا تو بولا۔ "کیا سوچ رہے ہو۔"

"کچھ نہیں تھک گیا ہوں بس۔"

"اچھا بتاؤ میرا گاؤں کیسا لگا۔" علی پر جوش تھا۔

"بہت خوبصورت۔" ساغر نے مختصر تبصرہ کیا۔

وہ دونوں کار کی پچھلی سیٹوں پر بیٹھے تھے جبکہ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔

علی، ساغر کے طرف منہ گھمائے بیٹھا ہوا تھا۔

وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اور آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد وہ شہر پہنچ چکے تھے۔

ڈرائیور کو واپس جانا تھا۔

ساغر، علی کو خدا حافظ کہہ کر اپنی بائیک لے کر گھر کی طرف نکل گیا۔

علی اسے روک رہا تھا لیکن وہ کام کا بہانہ کر کے نکل گیا۔

وہ کافی تھک گیا تھا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ کمیل سے ملنے جائے گا۔

—☆☆☆—

"مجھے ایک دوست سے ملنے جانا ہے تو تمہیں امی کی طرف چھوڑ دیتا ہوں۔"

کمیل اور صلومی گول گپے کھانے کے بعد ہوٹل واپس آ گئے تھے۔

"ٹھیک ہے۔" صلومی نے موبائل سے منہ نکال کر کہا۔ "ہاں امی بھی مجھے دیکھ کر خوش ہو گیں۔"

شام ہو چکی تھی۔

"تم تیار ہو جاؤ پھر نکلتے ہیں۔"

"جی ٹھیک۔" صلومی موبائل میں مگن تھی۔

صلومی کو جیسے موبائل کی عادت ہو رہی تھی۔

میں نے غلط کیا اسے موبائل دلا کر۔ یہ کہیں مجھ سے دور نہ ہو جائے۔ کمیل نے سوچا تھا۔

''اچھا میں فریش ہو کر کپڑے تبدیل کر لوں پھر نکلتے ہیں۔'' صلومی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔ کمیل تیزی سے اٹھا اور باتھ روم کے دروازے کے طرف دیکھنے لگا۔

وہ بند تھا۔ شاور سے گرتے پانی کی آواز آنے لگی۔

کمیل نے صلومی کا موبائل پکڑا۔ اس پر کوئی پاس کوڈ نہیں تھا۔

اس نے ریسنٹ ٹیبز چیک کئے۔ یوٹیوب کھلا ہوا تھا جس پر ایک فوڈ فلا گر کی وڈیو چل رہی تھی۔

کمیل کو صلومی کی معصومیت پر ہنسی آئی اور اپنی حرکت پر شرمندہ بھی ہوا تھا۔

کیا میں نے شک کیا۔ کمیل نے سوچا۔

''اب میں کبھی بھی بنا اجازت صلومی کا فون چیک نہیں کروں گا۔'' وہ زیر لب بڑ بڑایا۔

شک کرنا انسان کی فطرت ہے۔ ہم جن کو پرفیکٹ کپل سمجھتے ہیں وہ بھی کہیں نہ کہیں ایسے موڑ پر آتے ہیں کہ لاشعوری طور پر شک کا مظاہرہ کر دیتے ہیں۔

کچھ دیر بعد صلومی فریش ہو کر باہر نکلی تو کمیل بیڈ پر نیم دراز تھا۔

''سوری۔۔۔'' کمیل بولا۔

''کیا۔۔۔کس لئے۔۔۔'' صلومی ناسمجھی سے گویا ہوئی۔ ''سوری کس لئے۔''

''چلو تم جلدی سے بال بنالو پھر نکلتے ہیں۔'' کمیل نے بات بدلی۔

وہ شرمندہ ہوا تھا۔ صلومی اس سے دور کیوں جائے گی۔ وہ اس سے محبت کرتی تھی اور کمیل کو اس کی محبت پر اعتبار کرنا چاہیے۔

—☆☆☆—

کمیل، صلومی کو قمر گھرانہ چھوڑ کر مون کیفے آیا تھا۔

ساغر نے اسے وہاں بلا لیا تھا۔

"اچھی جگہ ہے۔" کمیل نے تبصرہ کیا۔

وہ دونوں کونے والی میز پر چلے آئے تھے۔

ساغر نے سیم کو اشارہ کیا۔

"ساغر بھائی کیا لیں گے آپ۔" سیم، ساغر کو پہلے سے جانتا تھا۔

"دو چائے اور ساتھ کچھ لے آؤ ہلکا پھلکا۔" ساغر نے ایک نظر سیم کو دیکھا اور آرڈر دینے کے بعد گویا ہوا۔ "اور کام کیسا چل رہا ہے یہاں۔"

آخری جملے میں ساغر کا معانی خیز لہجہ کمیل نے بھی نوٹ کیا تھا لیکن اس بات پر اس نے تبصرہ نہیں کیا۔

"ٹھیک۔۔۔" سیم پزل ہوا تھا لیکن تیزی سے واپس مڑ گیا۔

"لگتا ہے تم یہاں اکثر آتے ہو۔" کمیل بولا۔

"ہاں کبھی کبھی۔" ساغر اسکی طرف متوجہ ہوا۔ "تمہیں کوئی بات کرنی تھی مجھ سے۔"

"ہاں مجھے تمہاری مدد چاہیے۔"

''کیسی مدد۔''

''ثبوت جمع کرنے میں۔'' کمیل بولا۔ ''اور مجھے یقین ہے تم میری مدد کروگے۔ یاد ہے میں نے تم سے بات کی تھی تمہارے باس کو ملنے کی۔''

ساغر مسکرایا۔ ''کیا تم۔۔۔''

''ہاں میں جانتا ہوں تمہارے کام کے متعلق۔ اسی لئے مجھے تمہاری مدد چاہیے۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ وہاں نوکری کے بہانے جاؤں لیکن اس صورت میں، میں پکڑا جاتا۔ اس لئے میں نے تم سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔''

''کس طرح کے ثبوت جمع کرنے ہیں کمیل۔'' ساغر بولا۔

''میرے تایا نے دادا جی کے مرنے کے بعد میرے چچا کو قتل کروادیا تھا۔ انکی بیوی جاکہ میری ساس ہیں، انکے خاندان سے نہیں تھی تو انہوں نے انکو اپنے گھر سے نکلوادیا۔'' کمیل بول رہا تھا۔ ''دو سال پہلے میرے ماں باپ بھی چل بسے۔ وہ کار حادثے میں وفات پا گئے تھے لیکن چھ ماہ پہلے مجھ پر انکشاف ہوا کہ وہ حادثہ میرے تایا نے ہی کروایا تھا۔ جس رات مجھے یہ سب پتا چلا میرے کزن آیان نے مجھ پر حملہ

کروادیا اور مجھے بھاگنا پڑا اور اپنے مرحوم چچا کی بیوی کے پاس آنا پڑا۔ میں اتنے دن سے پلان ہی ترتیب دے رہا تھا لیکن مجھے مدد لگے گی۔"

"انہوں نے ایسا کیوں کیا۔" ساغر یہ سب سن کر حیران ہوا تھا۔

"دولت کے لئے۔" کمیل نے زہر آلودہ لہجے میں بتایا۔

"میں تمہاری مدد کروں گا۔" ساغر بولا۔ "تم نے بھی تو مشکل وقت میں میری مدد کی تھی۔ اب میری باری ہے مدد کرنے کی۔"

"یہ لیں آپ کی چائے سر۔" سیم نے چائے کے کپ دونوں کے سامنے رکھے۔ چائے کے ساتھ فروٹ کیک بھی تھا۔

—☆☆☆—

جاری ہے